احساس کے پھول

نسیم رفعت گوالیاری

احساس
کے
پھول

نسیمؔ رفعتؔ، گوالیاری

غزل

کئی ایسی راتیں بھی کٹ گئیں، کئی ایسے دن بھی گذر گئے
کوئی حادثہ جو کہیں ہوا تو ہم اپنے سائے سے ڈر گئے

مرے دوستو، میرے ساتھیو، کوئی دے سکو تو جواب دو
کہاں کھو گئیں وہ مروّتیں، وہ حسین لمحے کدھر گئے

نہ سفر ہی اُن کا سفر ہوا، ہوئے راہ میں وہی لاپتہ
جو کسی حسین مقام پر ذرا دور چل کے ٹھہر گئے

نہ وہ موج موج میں جوش ہے، نہ نظارہ طوفاں بدوش ہے
جو اُٹھا تھا شور وہ تھم گیا، جو چڑھے تھے دریا اُتر گئے

کوئی اشک پونچھنے آئے گا، کوئی دل کا بوجھ ہٹائے گا
اِسی جستجو میں اُلجھ کے ہم، کبھی جی اُٹھے، کبھی مر گئے

وہ اِک آدمی ہے نیا نیا، کئی رنگ کا، کئی روپ کا
اُسے صرف دیکھا تھا اِک نظر، کئی رنگ آنکھوں میں بھر گئے

رہے یوں نسیمؔ رواں دواں، کہ قدم ہمارے پڑے جہاں
کہیں پھول بن کے مہک اُٹھے، کہیں نغمہ بن کے بکھر گئے

غزل

ہمارے شہر میں جس آدمی کا چرچا ہے
لباس اُجلا ہے اُس کا ، ضمیر میلا ہے

نظر نظر میں وجود اُس کا اِک تماشا ہے
اِسی لئے وہ تماشائیوں سے بچتا ہے

یہ بات کاش ، کوئی تاجروں کو سمجھا دے
میں بِک چُکا ہوں ، کسی نے مجھے خریدا ہے

بناوٹوں کے سِوا کچھ نہیں ہے دنیا میں
جو دیکھتے ہو ، تمہاری نظر کا دھوکا ہے

ہمارے پاؤں کے چھالے بھی دیکھ لو صاحب
ہمارے ساتھ چلوگے ، خیال اچّھا ہے

اِسی لئے تو نظر میں ہے دور اندیشی
بہت قریب سے دنیا کو ہم نے دیکھا ہے

ہوا کھلونا سمجھتی ہے جس کو گلشن میں
نسیمؔ شاخ سے ٹوٹا ہوا وہ پتّا ہے

غزل

سب کی سنگت کو نبھا لیتا ہے
وہ تو ہر ساز پہ گا لیتا ہے
پیار کی بات پہ اُس کا چہرہ
کئی رنگوں میں نہا لیتا ہے
مجھ کو دیوانہ سمجھ کر ، وہ بھی
میری باتوں کا مزہ لیتا ہے
اُس کو حاصل ہے رِدا سورج کی
اُوڑھ لیتا ہے ، بچھا لیتا ہے
دوستوں سے تو وہ بچتا ہے مگر
ہاتھ دشمن سے مِلا لیتا ہے
دے ہی جاتا ہے خوشی بھی غم بھی
وقت انسان سے کیا لیتا ہے
کیا بگاڑے گا کوئی اُس کا نسیمؔ
وہ بزرگوں کی دعا لیتا ہے

غزل

کسی کے ہاتھ سے یوں کانچ کا گلاس گرا
کہ جیسے ٹوٹ کے میں اپنے آس پاس گرا

تھی جس نگاہ کو مرغوب میری خودداری
اُسی نگاہ سے میں کر کے التماس گرا

یہ حادثہ بھی مری زندگی میں ہونا تھا
نظر سے جسم گرا ، جسم سے لباس گرا

وہ بانٹتا پھرا دن بھر خرد کی سوغاتیں
ہوئی جو شام ، تو بستر پہ بدحواس گرا

جو اقتباس میری زندگی کا حصّہ تھا
تری کتاب سے شاید وہ اقتباس گرا

تجھے تو ظلم ہی کرنا ہے ، ظلم کر مجھ پر
نہ اس طرح مرے دشمن ، مرا قیاس گرا

نسیمؔ اُس کو بھروسہ تھا اپنے قدموں پر
وہ ہی ، جو راہ میں منزل کی لیئے آس گیا

غزل

کیا غم ہے ، اگر غم سے بھی یارانہ رہے گا
سانسوں میں مگر ، پیار کا افسانہ رہے گا

گلشن میں بہاریں بھی ہیں ، رنگین فضا بھی
آجاؤ کہ پھر یہ سماں ، ایسا نہ رہے گا

گستاخیاں کرتی رہیں آوارہ ہوائیں
لیکن نہ جدا شمع سے ، پروانہ رہے گا

دیوانوں کے جذبات پہ آئی ہے جوانی
ہنگامہ تو اب شہر میں روزانہ رہے گا

توقیرِ وفا پھر کہاں ، دنیا میں رہے گی
اپنا ہی اگر پیار میں ، اپنا نہ رہے گا

مدہوش ، جو اُن مد بھری آنکھوں سے ہوا ہے
دنیا سے تو کیا ، خود سے وہ بیگانہ رہے گا

دیوانہ نسیمؔ آج مجھے اُس نے کہا ہے
بس میرا لقب آج سے دیوانہ رہے گا

غزل

کیا تم نے بھی پیار کیا ہے ، سچ بولو
دل پر کس کا نام لکھا ہے ، سچ بولو
کس کے نغمے گاتے ہو ، تنہائی میں
کون خیالوں میں آتا ہے ، سچ بولو
کون ہے آخر ، شہرِ دل کا شہزادہ
سانسوں سے کس کا رشتہ ہے ، سچ بولو
چہرہ کچھ کہتا ہے ، تم کچھ کہتے ہو
تم سے کتنی بار کہا ہے ، سچ بولو
پیار میں جھوٹے وعدے ، اچھی بات نہیں
ہم نے تم سے سچ بولا ہے ، سچ بولو
جھوٹ کہا تو ، جھوٹے ہی کہلاؤ گے
یہ دنیا گنبد کی صدا ہے ، سچ بولو
تم پر مِٹ جائے گا ، سچ کہتا ہے نسیمؔ
لیکن تم نے کیا سوچا ہے ، سچ بولو

غزل

آئینے توڑ دیئے اُس نے ، نہ جانے کتنے
ایک پتّھر سے ، لگاتا ہے نشانے کتنے

ٹوٹ جائے نہ کسی کانچ کے برتن کی طرح
ذہن میں رکھتا ہے وہ آئینہ خانے کتنے

شیش محلوں کی فضا سے یہ اُبھرتے ہیں سوال
آج ہیں تخت نشیں ، راج گھرانے کتنے

اے خدا اُس گلِ خوش رنگ کی تکمیل کے بعد
اب ترے پاس ہیں رنگوں کے خزانے کتنے

کوئی ملنے کا بہانہ ، نہیں ملتا اُس کو
ڈھونڈ لیتا ہے ، نہ ملنے کے بہانے کتنے

دیکھئے ، اُن سے ملاقات کہاں ہوتی ہے
اور اِس طرح گذرتے ہیں ، زمانے کتنے

میری غزلوں کو پڑھوگے ، تو سمجھ لوگے نسیمؔ
میرے جذبے ، نئے کتنے ہیں ، پُرانے کتنے

غزل

ہنسی میں غم چھپایا جا رہا ہے
بظاہر ، مسکرایا جا رہا ہے

جتایا جا رہا ہے پیار ، لیکن
ستم بھی آزمایا جا رہا ہے

ہمارے حال پر ، کر کے عنایت
زمانے کو ، ہنسایا جا رہا ہے

بھلایا تھا ، بڑی مشکل سے جس کو
وہی پھر یاد آیا جا رہا ہے

ہوا تو ہے ، نگاہوں سے وہ اوجھل
مگر ، خوابوں میں پایا جا رہا ہے

چراغوں سے کریں گے گفتگو ہم
کہ اب سورج کا سایہ جا رہا ہے

سُنا ہے اب نسیمؔ اُن کی زباں پر
ہمارا نام پایا جا رہا ہے

غزل

بارشوں کا موسم ہے اور تم سے دوری ہے
کاش، تم سمجھ لیتے، آج کیا ضروری ہے

پیار میں نہ جانے کیوں، میں جسے نہ کہہ پایا
تم جسے نہ سُن پائے، بات وہ ادھوری ہے

ہیں تمام گلشن میں، جابجا یہی چرچے
صبح کتنی دلکش ہے، شام کتنی نوری ہے

دلنشیں فضائیں ہیں، یہ اثر ہے موسم کا
بھنورے گنگناتے ہیں، موج میں میوری ہے

کاش، اِن اشاروں کی تم زباں سمجھ لیتے
کیونکہ میری نظروں میں، دل کی بات پوری ہے

کل یہی جواں لمحے، بدّعا نہ دیں ہم کو
اب تو اپنے بارے میں، سوچنا ضروری ہے

میں نسیمؔ ناخوش ہوں اُس کی جی حضوری سے
جب کہ اُس کی فطرت میں، صرف جی حضوری ہے

غزل

خوش رنگ سرابوں نے دیئے، صرف دِلاسے
تپتے ہوئے صحرا میں، بھٹکتے رہے پیاسے

ہاتھوں کی لکیروں کی طرف دیکھ رہا ہوں
اب تم سے گِلہ ہے، نہ شکایت ہے خدا سے

اِک میں ہوں کہ جو موت سے ہوں برسرِ پیکار
اِک تم ہو، کہ منھ موڑ لیا تم نے وفا سے

تم شمعِ فروزاں ہو مرے خانۂ دل کی
اللہ بچائے، تمہیں دنیا کی ہوا سے

اِک چیز مقدّر میں نہیں ہے، تو نہیں ہے
پھر کیوں میں اُسے، مانگتا رہتا ہوں خدا سے

دے اُس کا بھلا، جو نہ دے اُس کا بھی بھلا ہو
درویش کو ہے واسطہ ہر در پہ صدا سے

فرمائیں نسیمؔ آپ، مرے حق میں دعائیں
دنیا کے بہت کام نکلتے ہیں، دعا سے

جُملَہ حُقُوق بَحَقِ مُصَنِّف مَحفُوظ

شاعروناشر	:	نسیمؔ رفعت
سنِ اشاعت	:	۲۰۰۹ء
تعداد	:	ایک ہزار
قیمت	:	۵۰ روپے
معاون	:	کوثر جہاں (بیٹی) میرٹھ (یوپی)
لیسرسیٹنگ	:	فصیح الزّماں، جلال خاں کی گوٹھ، لشکر، گوالیار۔۱
سرورق	:	قمر برترؔ (گوالیار)

ملنے کا پتہ

☆ نسیمؔ رفعت، آزاد ہوٹل، نئی سڑک، کیلاش ٹاکیز کے پاس
لشکر، گوالیار۔۴۷۴۰۰۱ (ایم پی)

☆ آزاد بک ڈپو، ٹوپی بازار، لشکر، گوالیار۔۱

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

غزل

پھول سے جتنے پیکر ملے
سب کے سینوں میں ، پتّھر ملے

پیاس ، بے انتہا تھی مگر
دیکھنے کے ، سمندر ملے

دوستی نے ، بہت کچھ دیا
آستینوں میں ، خنجر ملے

صاف بچ لو ، اگر بچ سکو
جب کوئی ، مسکرا کر ملے

ہم ہی ، منزل سے تھے بے خبر
راستے تو ، برابر ملے

وہ پرندہ ، تو اُڑ جائے گا
جب بھی اُس کو نئے پر ملے

ہم نہ بدلے کہ ہم سے نسیمؔ
لوگ ، چہرے بدل کر ملے

غزل

تجھ سے ، میرا ایک سوال
پیار مری جھولی میں ڈال
کچھ اپنے بارے میں سوچ
لوگوں کی باتوں کو ٹال
شاطر ہیں ، دنیا کے لوگ
چلتے ہیں ، شطرنجی چال
آج ،تو میرے دل کے نام
کر دے اپنے ، ماہ و سال
میں ، جیسے راہوں کی دھول
تو ، جیسے گدڑی میں لعل
تجھ کو پا کر ، میں دھنوان
میرے آگے ، سب کنگال
شاعر ہے ، کیا خوب نسیمؔ
بُنتا ہے ، لفظوں کے جال

غزل

میں لِکھ رہا ہوں تیرا سراپا ، مری غزل
تو یوں ہی میرے سامنے رہنا ، مری غزل

کس کی ہے یہ مہک ، جو میری شاعری میں ہے
کچھ تو جواب دے ، مری دنیا ، مری غزل

میرا یقیں نہیں ، تو زمانے سے پوچھ لو
کہتا ہے کس کو سارا زمانہ ، مری غزل

شاعر بنا دیا ہے مجھے ، تیرے پیار نے
جانِ بہار ، جانِ تمنا ، مری غزل

تعبیر خواب کی ہے ، اُسی دن سے آرزو
جس دن سے تجھ کو خواب میں دیکھا ، مری غزل

پردہ نشینی دل کی ، اِسی واسطے تو ہے
اِس آئینے میں عکس ہے تیرا ، مری غزل

تم تو نسیمؔ شعر و سخن کے قریب ہو
تم ہی بتاؤ کون ہے اچّھا ، مری غزل

غزل

موت سے کھیلنا ، خطروں کی نظر میں رہنا
میری مجبوری ہے ، دشمن کے اثر میں رہنا

جب سے، اُس گل کا بہاروں سے ہوا ہے رشتہ
چاہتا ہی نہیں ، اُس دن سے شجر میں رہنا

منزلیں ، چاند ، ستاروں کی اگر پانا ہے
تم اِسی طرح ، مرے ساتھ سفر میں رہنا

عیش کے یہ در و دیوار ، مبارک ہوں تمہیں
آ گیا راس ہمیں ، راہگذر میں رہنا

سر پھری تیز ہواؤں کو ، گوارہ کب ہے
چند سوکھے ہوئے پتّوں کا ، شجر میں رہنا

شکر ہے ، اپنا علاقہ نہیں آیا زد میں
آگ جب تک نہ بجھے شہر کی ، گھر میں رہنا

حادثوں کا وہ اثر ذہن پہ چھایا ہے نسیمؔ
کہ جہاں رہنا ، وہیں خوف و خطر میں رہنا

غزل

ہم تو قریب آپ کے آ گئے ، جتنا آ سکے
لیکن حضور ، آپ کیا اپنے قدم بڑھا سکے

آپ کی مہربانیاں ، مجھ پر ہیں مثلِ سائباں
کس کی مجال ، جو میری دنیائے دل پہ چھا سکے

بندہ نواز ، شکریہ آپ کے التفات کا
عہدِ وفا تو خوب تھا ، لیکن کہاں نبھا سکے

ہنس ہنس کے اشکِ غم پیئے ، جینے کی طرح کب جیئے
خود کو بھلا دیا مگر ، تم کو نہ ہم بھلا سکے

تم بھی رہے اُداس اُداس ، ہم بھی رہے غموں کے پاس
تم بھی ہمیں نہ پا سکے ، ہم بھی تمہیں نہ پا سکے

مانا کہ ہم سے دور تھی ، منزل ہمارے پیار کی
پھر بھی تھکے تھکے قدم ، ہرگز نہ ڈگمگا سکے

اپنے ، پرائے ، اجنبی ، ہاتھ مِلاتے ہیں سبھی
ایسا نسیمؔ کون ہے ، دل سے جو دل مِلا سکے

غزل

بس، ابھی ہو جائیں گے آنسو رواں، رہنے بھی دو
تم سنو گے اور میری داستاں ، رہنے بھی دو

بارہا اِس دل نے کھائے ہیں فریبِ زندگی
یہ عنایت ، یہ نوازش ، مہرباں رہنے بھی دو

جاؤ بھی اے غمگسارو ، چاراسازو ، ہمدمو
اب حدیثِ دل پہ غم کی سُرخیاں رہنے بھی دو

پھر کوئی منصور ، پہنچے گا مقامِ دار تک
اِس سے بہتر ہے کہ مجھ کو، بے زباں رہنے بھی دو

خود بھٹکتے ہو غبارِ کارواں میں ، آج بھی
اور کہلاتے ہو میرِ کارواں ، رہنے بھی دو

آرزوئیں رنگ لائیں ، یہ تو ممکن ہی نہیں
حسرتیں اب اپنے سینے میں، جواں رہنے بھی دو

غنچہ و گل کو تباہی خود گوارہ ہے نسیمؔ
اور کچھ دن صحنِ گلشن میں خزاں رہنے دو

غزل

اِک شخص ، یوں وفا کا صلہ دے گیا مجھے
دل کے قریب آ کے ، دغا دے گیا مجھے

میں اُس کو ڈھونڈتا رہا، خوابوں کے شہر میں
گم کردہ راستوں کا پتہ ، دے گیا مجھے

کل تک میں ایک شعلہ تھا، آتش کدہ ہوں آج
یہ جاتے جاتے ، کون ہوا دے گیا مجھے

دامن میں گل نہیں ، نہ سہی ، خار ہی سہی
وہ ، جو مرے نصیب میں تھا ، دے گیا مجھے

طے آج کس نے کر لئے ، صدیوں کے فاصلے
دہلیز پر یہ کون ، صدا دے گیا مجھے

مانا کہ وہ طبیب ہے لیکن ، عجیب ہے
جب آیا ، ایک زخم نیا دے گیا مجھے

نظروں میں تیرگی کے سِوا کچھ نہیں نسیمؔ
جلتا ہوا چراغ ، یہ کیا دے گیا مجھے

غزل

میں نے غزل کہی ہے ، تجھے دیکھنے کے بعد
تیری ہی بات ، کی ہے تجھے دیکھنے کے بعد

دل ، وحشتوں کی حد سے گذرتا چلا گیا
اِتنی خوشی ہوئی ہے ، تجھے دیکھنے کے بعد

انگڑائی شاخ ، شاخ پہ لیتی ہے ہر کلی
پھولوں پہ تازگی ہے ، تجھے دیکھنے کے بعد

اے ، نو بہارِ ناز ، تری دید کی مہک
سانسوں میں گھل گئی ہے ، تجھے دیکھنے کے بعد

تیری گلی میں اب تو گذرتے ہیں صبح شام
ہر لمحہ قیمتی ہے ، تجھے دیکھنے کے بعد

دل میں نہ تھا سرور ، نہ آنکھوں میں نور تھا
پُر کیف زندگی ہے ، تجھے دیکھنے کے بعد

دنیا نسیمؔ اِن دنوں ، کتنی عجیب ہے
مجھ کو بھی دیکھتی ہے ، تجھے دیکھنے کے بعد

غزل

ہیرے ، موتی سا دمکتا ہوا تن ، اُس کا ہے
یہ اُسے دَین ہے قدرت کی ، یہ دھن اُس کا ہے

ظلم کیوں ڈھاتے ہو ، اِس دل پہ زمانے والو
میرے سینے میں یہ انمول رتن ، اُس کا ہے

آج ہر ہاتھ میں پتّھر ہے ، خدا خیر کرے
گھر سے نکلا ہے وہ ، شیشے کا بدن اُس کا ہے

میرے جذبوں ، مری سوچوں ، مرے لفظوں کے سِوا
جو بھی کچھ ہے مری تحریر میں فن ، اُس کا ہے

اُس پرندے کی اُڑانیں ، کوئی دیکھے تو سہی
آج تو آسماں چھو لینے کو من اُس کا ہے

گُل تو کیا ، نکہتِ گُل سے بھی ہے محروم ، وہ شخص
یوں تو کہنے کے لئے ، سارا چمن اُس کا ہے

زندگی جینے کا آتا ہے ہنر اُس کو نسیمؔ
فاقہ مستی میں بھی ، شاہانہ چلن اُس کا ہے

انتساب

اُس جذبے کے نام

جس نے میرے شاعرانہ احساس کو

نئی راہیں دیں

اور

جس نے میری فکرِ سخن کو شعور دیا۔

نسیمؔ رفعت گوالیاری

غزل

نظر سے پینے پلانے کی رات آئی ہے
دلوں کی پیاس بجھانے کی رات آئی ہے

غموں کا دور ہوا ختم ، پونچھ لو آنسو
ہنسو ، کہ ہنسنے ہنسانے کی رات آئی ہے

تمام زندگی ، جو بن کے یادگار رہے
اِک ایسا جشن ، منانے کی رات آئی ہے

فلک کے چاند ، ستارے ہیں سہمے سہمے سے
نقاب رُخ سے اُٹھانے کی رات آئی ہے

جواں جواں ہیں نظارے ، حسیں حسیں ہے سماں
کہ چاندنی میں ، نہانے کی رات آئی ہے

اندھیرے اب نہ رہیں گے ، ہماری دنیا میں
نئے چراغ ، جلانے کی رات آئی ہے

فضا میں آج ترنّم سا گھل رہا ہے نسیمؔ
غزل کے شعر ، سُنانے کی رات آئی ہے

غزل

کبھی کعبہ ، کبھی یلغار کے منظر بناتا ہوں
خیالوں میں ، ابابیلوں کے پھر لشکر بناتا ہوں
مجھے عادت نہیں ہے ، بھیڑ کے ہمراہ چلنے کی
میں تنہائی کو ، اپنی راہ کا رہبر بناتا ہوں
میری نظروں میں ہے ، ہر موج کی دیوانگی لیکن
کنارے پر گھروندے ، ریت کے اکثر بناتا ہوں
مجھے فٹ پاتھ پر ، جب نیند آجاتی ہے غربت میں
تو پھر میں خواب کی دنیا میں اپنا گھر بناتا ہوں
مرے کاغذ ، قلم میں ہے زمانے بھر کی آسائش
کہیں بنگلہ بناتا ہوں ، کہیں موٹر بناتا ہوں
مرے ذہنی پرندے ، آسماں کی سیر کرتے ہیں
میں اُن کے واسطے ، لفظوں کے بال و پر بناتا ہوں
نسیمؔ اہلِ قلم اکثر مجھے شاعر سمجھتے ہیں
میں مبہم سی لکیریں ، کورے کاغذ پر بناتا ہوں

غزل

مکیں ہمارے ہیں ، یوں تو مکاں ہمارا ہے
مگر کسی پہ اثر اب کہاں ہمارا ہے

اگر ، کسی کی محبت نصیب ہو جاتی
تو ہم بھی کہتے ، کوئی مہرباں ہمارا ہے

ستمگروں نے تو ، کوئی کمی نہ کی لیکن
خدا کا شکر کہ نام و نِشاں ہمارا ہے

یہ کیا ضرٖوری ہے ، کوئی مکاں بھی ہو اپنا
زمیں ہماری ہے ، یہ آسماں ہمارا ہے

ذرا کتابوں کے اوراق پر نظر ڈالو
وجود داستاں در داستاں ہمارا ہے

ہمیں یقیں ہے کہ منزل بھی مِل ہی جائے گی
رواں دواں تو ابھی کارواں ہمارا ہے

نسیمؔ ہم ہیں غزل کے نگار خانے میں
کسی کی بات ہے ، حسنِ بیاں ہمارا ہے

غزل

نظر کی حدوں تک دھواں ہی دھواں ہے
بتائے کوئی میری منزل کہاں ہے

سفر لازمی ہے تو چلتا ہوں ورنہ
نہ وہ حوصلے ہیں ، نہ عزمِ جواں ہے

میں گھر کا پتہ سب کو دیتا نہیں ہوں
بلاؤں سے محفوظ میرا مکاں ہے

نہ پہچان پائیں گے اِک دوسرے کو
نظر میں ابھی نفرتوں کا دھواں ہے

ترے شہر میں آدمی تو بہت ہیں
کسی میں مگر آدمیت کہاں ہے

نہ ہوگا کبھی فیصلہ میرے حق میں
ہے قانون اندھا ، عدالت دوکاں ہے

نسیمؔ آپ اُردو کو کیا جانتے ہیں
یہ جانِ غزل ، فخر ہندوستاں ہے

غزل

جنون سر پھری آندھی کا ، اُس سے کیا لے گا
اُسے چراغ جلانا ہے ، وہ جلا لے گا

وہ جب نگاہ ، مری زندگی پہ ڈالے گا
تو اپنا عکس بھی ، اِس روشنی میں پالے گا

کیا ہے وار ، بڑی سادگی سے اُس نے بھی
مجھے یقیں تھا ، وہ شاید مجھے بچا لے گا

یہ اور بات ہے ، میں ہنس کے ٹال دیتا ہوں
خطا تمہاری ، کوئی دوسرا نہ ٹالے گا

وہ کیا ہے ،کون ہے ، زندہ ہے کس لئے اب تک
کسی دن اُس کو یہ احساس ، مار ڈالے گا

وہ اپنی راہ سے ، بھٹکا ہوا مسافر ہے
ضرور کوئی اُسے ، ہمسفر بنا لے گا

نسیمؔ دیکھنا ، پرواز اُس پرندے کی
وہ آسمان پہ شاید پڑاؤ ڈالے گا

غزل

ہماری راہ سے ، پلکوں کو آشنا رکھنا
کبھی ہم آئیں تو خوابوں کا در کھلا رکھنا

ہمیشہ ملنے ملانے سے واسطہ رکھنا
کیا ہے پیار ، تو جاری یہ سلسلہ رکھنا

قریب آکے زمانہ فریب دیتا ہے
جو ہو سکے تو زمانے سے فاصلہ رکھنا

نہیں ہے کوئی حقیقت پسند دنیا میں
کبھی کسی کے مقابل نہ آئینہ رکھنا

وہ خط جو لکھتے ہو تم میرے نام خلوت میں
میرا عمل ہے اُسے پڑھنا ، چومنا ، رکھنا

سفر میں ہوں مجھے تاخیر ہو بھی سکتی ہے
ستائیں ہجر کے لمحے ، تو حوصلہ رکھنا

نسیمؔ ہو گئے اپنے ہی جب کہ بیگانے
تو آرزوئے وفا بھی ، کسی سے کیا رکھنا

غزل

زندگی آگ کا سمندر ہے
تم نہ سمجھو تو بات دیگر ہے

موم کا ہے تو ، میرے ساتھ نہ چل
چڑھتے سورج کی دھوپ ، سر پر ہے

ہم سے خانہ بدوش لوگوں کا
کیا بتائیں ، تمہیں کہاں گھر ہے

کوئی سایہ نظر نہیں آتا
تیرگی ، روشنی سے بہتر ہے

راہ میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں
کیا خبر ، کون کس کا رہبر ہے

کون اُس کو یہ بات سمجھائے
سادگی ، آدمی کا زیور ہے

جانتے ہو ، نسیمؔ رفعت کو
لوگ کہتے ہیں ، وہ سخنور ہے

غزل

وہ نظر، اُٹھ کے پھر جھکی ہے ابھی
کچھ نہ کچھ بات ہو گئی ہے ابھی

ہو نہ ہو، وہ یہیں کہیں ہوں گے
مہکی مہکی ہوا چلی ہے ابھی

ہیں ابھی منتظر مری آنکھیں
اِن چراغوں میں روشنی ہے ابھی

بات بنتی نظر نہیں آتی
مجھ میں شاید کوئی کمی ہے ابھی

اُف، یہ اندازِ بے رُخی، توبہ
دل پہ اِک چوٹ سی لگی ہے ابھی

زخم کھاؤ گے دیکھنا کیا کیا
صرف دو دن کی دوستی ہے ابھی

خود کو کتنا بدل دیا ہے نسیمؔ
دل کا عالم مگر وہی ہے ابھی

غزل

رہبری اب نہ راس آئے گی
گمرہی راستہ دکھائے گی

دیکھئے تو ، بہار کے تیور
یہ ابھی اور گل کھلائے گی

زندگی کی ادا سے واقف ہوں
مجھ سے یہ کیا نظر مِلائے گی

کون پوجے گا ، ڈھلتے سورج کو
دھوپ آخر شکست کھائے گی

کیا خبر تھی ، اندھیری راتوں میں
جگنوؤں کو بھی نیند آئے گی

دشمنی کی ہو یا محبت کی
آگ تو آگ ہے جلائے گی

تم سمجھ لو نسیمؔ دنیا کو
تم کو دنیا سمجھ نہ پائے گی

غزل

تو بھی میرے ساتھ نہیں ہے
یہ تو اچّھی بات نہیں ہے
میرے دل میں پیار تیرا
ہاتھ میں لیکن ہاتھ نہیں ہے
وعدہ کرنا اور نبھانا
تیرے بس کی بات نہیں ہے
خواب ترے جس رات نہ دیکھوں
ایسی کوئی رات نہیں ہے
تجھ بن ، اِس دل کے آنگن میں
رنگوں کی برسات نہیں ہے
بھیس ، فقیروں کا ہے لیکن
جھولی میں خیرات نہیں ہے
صرف نسیمؔ انساں ہوں میں تو
میری کوئی ذات نہیں ہے

نسیمؔ رفعت

کوئی ۴۰-۴۵ برس پہلے کی بات ہے۔ گولیار میں دو سالہ قیام کے دوران نسیمؔ رفعت سے ملاقات ہوئی۔ ندؔا فاضلی، شمیم فرحت، وقارؔ صدیقی کے ساتھ میں اکثر رنجیت ہوٹل، مہاراج باڑے پر چائے پینے کے لئے جایا کرتا تھا۔ وہیں نسیمؔ سے بھی ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ ندؔا اپنے مخصوص انداز میں اُن کے دل و دماغ میں کھلبلی مچا دیتے۔ شمیم فرحت زیرِ لب تبسّم کے ساتھ اُن کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرے دیتے۔ وقارؔ انھیں درسِ مارکس دیتے اور سوچتے آج نہیں تو کل اُن کی برادری میں ایک عدد رُکن کا اضافہ اور ہو جائے گا۔ ۴۵ برسوں میں گوالیار میں کیا کچھ ہوا۔ بتا نہیں سکتا۔ ندؔا کو بمبئی کی گہما گہمی ہڑپ کر گئی۔ شمیم فرحت اللہ کو پیارے ہو گئے۔ میں بھی اندور آ پہنچا۔ اور وقارؔ صدیقی شعری فضا کو جگمگاتے رہے۔ اور اب نسیمؔ سے جب ملاقات ہوئی (روبرو اُن کی غزلوں کے ذریعہ بھی) تو واقعی احساس ہوا کہ پھولوں کی مہک سے اُنھوں نے دل و دماغ کو معطّر کر لیا ہے اور راہ میں آنے والے پتّھروں کو ٹھوکروں سے اُڑا دیا ہے۔ اور اب اُن میں ایک ایسی فضا میں سانس لینے کا شعور آ گیا ہے، جہاں وہ تکدّر اور نفاست کے مابین امتیاز کرنے والے ایک بیدار ذہن فنکار بن چکے ہیں۔ آج نسیمؔ رفعت کا شمار گوالیار کے نمائندہ شعراء میں کیا جاتا ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ اُن کا مجموعۂ کلام 'احساس کے پھول' آپ کو پسند آئے گا۔

ڈاکٹر عزیزؔ اندوری

سابق ڈین، اہلیا بائی یونیورسٹی، اندور

غزل

وہ گئے تو نظارے گئے
زندگی کے سہارے گئے
جس طرف وہ اشارے گئے
لوگ ، بے موت مارے گئے
وہ بھی کرتے رہے اَن سُنی
ہم بھی اُن کو ، پکارے گئے
اُلجھنیں اور بڑھتی گئیں
جتنے گیسو سنوارے گئے
پار ہوتی بھی کیا ، وہ ندی
ہم کنارے کنارے گئے
اب وہ کیا آئیں گے ، آچکے
چاند ڈوبا ، ستارے گئے
دشمنوں سے یہ کہہ دو نسیمؔ
اب زمانے تمہارے گئے

غزل

اِس طرح مرا چلنا تیرے ساتھ مشکل ہے
میرے ہمسفر تیری ہر قدم پہ منزل ہے

جب ہوس نے لوگوں کو کر دیا ہے نابینا
کیا انہیں نظر آئے ، کون کس کے قابل ہے

آپ کچھ بھی فرمائیں ۔ میں نے پڑھ لیا چہرہ
آپ کے تبسّم میں دل کی بات شامل ہے

مجھ کو اُس کی باتوں پر کس طرح یقیں آئے
اِک فریب سا اُس کی گفتگو میں داخل ہے

مشورے کچھ اِس طرح دیتی ہے بزرگوں کو
نسلِ نو حقیقیت میں جیسے خوب عاقل ہے

قتل کرتا رہتا ہے میری آرزوؤں کا
دیکھیئے اُسے وہ بھی کیا عجیب قاتل ہے

تم نسیمؔ رفعت کو جانتے نہیں شاید
دوستو ! اُسے سمجھو وہ ادیب کامل ہے

غزل

اِک مسافر ، ترے شہر میں لُٹ گیا
تیری خاطر ، ترے شہر میں لُٹ گیا

دل ہی تھا ، ایک سرمایۂ زندگی
وہ بھی آخر ، ترے شہر میں لُٹ گیا

وہ جو کرتا تھا خوابوں کی سوداگری
وہ ہی تاجر ، ترے شہر میں لُٹ گیا

تھا وہ پوشیدہ جب تک ، تو محفوظ تھا
ہو کے ظاہر ، ترے شہر میں لُٹ گیا

روز کے ہیں یہ چرچے ، کہ شاید کوئی
لُٹ گیا پھر ، ترے شہر میں لُٹ گیا

لوگ دہشت زدہ ہیں ہر اِک موڑ پر
کون آخر ، ترے شہر میں لُٹ گیا

کچھ خبر بھی ہے تجھ کو ، وہ تیرا نسیمؔ
تیرا شاعر ، ترے شہر میں لُٹ گیا

غزل

یوں آج اُن لبوں پہ محبت مہک اُٹھی
جیسے چمن میں گل کھلا، چاہت مہک اُٹھی

ہر سمت سے تھیں سنگِ ملامت کی بارشیں
پھر یوں ہوا، کہ اُس کی شرافت مہک اُٹھی

کیا کوئی حق پرست ، سرِ دار آ گیا
حالات کی رگوں میں، صداقت مہک اُٹھی

ہر شخص پھر رہا ہے ہتھیلی پہ جاں لئے
تصویرِ انقلاب کی رنگت مہک اُٹھی

فصلِ بہار تو نہیں ، دورِ خزاں ہے یہ
گل چیں سمجھ رہا ہے، کہ قسمت مہک اُٹھی

احباب کی شگفتہ بیانی نے اِن دنوں
وہ گل کھلائے ہیں کہ طبیعت مہک اُٹھی

کیا خوب باغبانی ہے اس دور کی نسیمؔ
اخلاق کے چمن میں کدورت مہک اُٹھی

غزل

تم جو تھوڑا سا حوصلہ دیتے
مجھ کو طوفان راستہ دیتے

مجھ کو جس آگ نے جلا ڈالا
کاش ، وہ آگ تم بُجھا دیتے

تم نہ ہوتے تو ہم فقیری میں
کس کی دہلیز پر صدا دیتے

وجہِ خاموشی کچھ تو ہے ورنہ
نام قاتل کا ہم ، بتا دیتے

کون تھا ، تم کو روکنے والا
پھر نیا کوئی گل کھلا دیتے

اُن کے حاکم ، اُنہیں کے منصف تھے
کیا مرے حق میں فیصلہ دیتے

لاپتہ ہم اگر نہ ہوتے نسیمؔ
کیوں کسی اور کا پتہ دیتے

غزل

یہ تم نے بہاروں سے کیا کہہ دیا ہے
گلوں کے لبوں پر تبسّم رچا ہے

نہیں خیریت، اب میرے دل کی شاید
کوئی مجھ کو اپنا سمجھنے لگا ہے

یہ مانا کہ وہ شخص ہے بے مروّت
مگر میں نے دل سے اُسے کچھ کہا ہے

جسے چاہتا ہوں ، اُسے دیکھتا ہوں
محبت میں دل ، آئینہ بن گیا ہے

نہ پھولوں کی بارش، نہ پتّھر، نہ کانٹے
یہ کیسا سفر ہے ، یہ کیا راستہ ہے

بظاہر تو قد اُس کا چھوٹا ہے لیکن
بڑی سوچ والا ، وہ انساں بڑا ہے

نسیمؔ اپنے اشعار میں رنگ بھر لو
کسی کے سخن میں، غزل کا مزہ ہے

غزل

اے دوست، میری زیست کا حاصل، وہ ہی پل ہو
جب تو ہو مقابل ، تو کوئی تازہ غزل ہو

تو بھی نہیں ممتاز ، نہ میں شاہجہاں ہوں
پھر کس طرح تعمیر نیا تاج محل ہو

تاثیرِ محبت نے تمہیں ، رنگ دیا ہے
تم ہی مری اُمّید کا شاداب کنول ہو

تم سوز بھی ہو ، ساز بھی، آواز بھی ، لے بھی
اِک ایسا معمّہ جو کسی طرح نہ حل ہو

بدلی ہے نہ بدلیں گے کبھی اپنی روش ہم
لوگوں کے دماغوں میں خلل ہے تو خلل ہو

کوشش بھی یہی ہے مری، خواہش بھی یہی ہے
دنیا میں محبت سے ، محبت کا بدل ہو

وہ شکل و شباہت سے تو انسان ہے لیکن
انساں کی طرح کاش ، نسیمؔ اُس کا عمل ہو

غزل

کہنے والا سچ کہتا ہے
دنیا دو دن کا میلہ ہے

میرے نام کے آگے پیچھے
اُس نے اپنا نام لکھا ہے

سچّا موتی کھوکر پگلا
کانچ کے ٹکڑے بین رہا ہے

تم میرے اچّھے ساتھی ہو
اِن باتوں میں کیا رکھا ہے

مفلس ماں ، بنتی ہے بھکارن
بچّہ جب جب ضد کرتا ہے

تنہائی سے گھبراتا ہوں
ہنگاموں سے ڈر لگتا ہے

آپ نسیمؔ کو جو بھی سمجھو
وہ جیسا بھی ہے ، اچّھا ہے

غزل

رہ رہ کر کیوں دل تڑپا ہے، میں بھی سوچوں، تو بھی سوچ
پیار میں آخر ایسا کیا ہے، میں بھی سوچوں، تو بھی سوچ

دل کی باتیں کہنا چاہوں، لیکن تجھ سے کہہ نہ سکوں
اکثر ایسا کیوں ہوتا ہے، میں بھی سوچوں، تو بھی سوچ

کیسے کیسے افسانے ہیں، تیرے میرے بارے میں
سارا زمانہ سوچ رہا ہے، میں بھی سوچوں، تو بھی سوچ

پیار سے یوں تو سب ملتے ہیں، میٹھی باتیں کرتے ہیں
کون پرایا، کون اپنا ہے، میں بھی سوچوں، تو بھی سوچ

بیر رکھو تو خوش رہتی ہے، پیار کرو تو جلتی ہے
یہ دنیا کیسی دنیا ہے، میں بھی سوچوں، تو بھی سوچ

پیار ہوا جب تھوڑ تھوڑا، دل نے غم سے ناتا جوڑا
صبر کا ساغر کیوں چھلکا ہے، میں بھی سوچوں، تو بھی سوچ

پچھلی رُت کے میرے دل پر، زخم ابھی باقی ہیں نسیمؔ
اِس موسم میں کیا ہونا ہے، میں بھی سوچوں، تو بھی سوچ

غزل

کسی سے فرضِ محبت ادا نہیں ہوگا
جنوں کا ختم کبھی سلسلہ ، نہیں ہوگا

ہمیں مِٹا دو ، اگر حادثوں کا ڈر ہے تمہیں
ہمارے بعد ، کوئی حادثہ نہیں ہوگا

میں اُس پہ آیتِ قرآن لکھ کے آیا تھا
مجھے یقیں ہے کہ وہ گھر جلا نہیں ہوگا

قدم بڑھاؤ ، محبت کی رہگذاروں پر
دلوں کے بیچ ، کبھی فاصلہ نہیں ہوگا

جہاں میں نامۂ اعمال لیکے جاؤں گا
وہاں تو کوئی بھی میرے سِوا نہیں ہوگا

سُنا یہ ہے، اُسے سچ بولنے کی عادت ہے
مگر وہ شخص ، کسی کا بھلا نہیں ہوگا

نسیمؔ اِس لئے شاید ، خفا خفا ہے وہ
حقیقتوں کا اُسے کچھ پتہ نہیں ہوگا

نسیمؔ میری نظر میں

آیئے نسیمؔ رفعت کو اس زاویۂ نگاہ سے دیکھیں جو موجودہ صدی کی ساتویں دہائی میں دوستوں کی فہرست میں ایک نام کا اضافہ ہوا۔ وہ نام تھا نسیمؔ رفعت کا۔ مسکراتی ہوئی آنکھیں، کشادہ پیشانی، اُلجھے ہوئے بالوں والا یہ شخص اپنی روزمرّہ زندگی میں تاجر زیادہ شاعر کم لگتا تھا۔ لیکن آج وہی نسیمؔ رفعت اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانے کے لئے میرے سامنے ہے۔

نسیمؔ رفعت اپنی شاعری کے خوبصورت لباس میں ایک جاذبِ نظر تصویر کی صورت ہیں۔ کشاکش بھری زندگی، نامساعد حالات بھی نسیمؔ رفعت کو اُن کے ادبی، شعری سفر سے نہیں روک پائے۔ اور وہ برابر ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ کی جستجو کرنے لگے نسیمؔ رفعت کا شعری سفر مولانا امیرؔ مینائی کے اسکول کی آخری شمع حضرت مضطرؔ خیرآبادی کے جانشین حاجی وحافظ برقِ مضطر غنیؔ گوالیاری (مرحوم) کی صحبت اور تلامذے سے شروع ہوتا ہے۔ نسیمؔ رفعت گوالیاری کو "احساس کے پھول" کی اشاعت کے لئے دلی مبارکباد دیتا ہوں۔

وقارؔ قریشی

صدر، بزمِ اُردو گوالیار

غزل

راس آئی اُس کو میری وفا کم ، بہت ہی کم
اِس واسطے ہے اُس سے گلہ کم ، بہت ہی کم

دل کی عبارتوں کو ، زیادہ نہیں پڑھا
ہم سے یہ کارِ نیک ہوا ، کم بہت ہی کم

وہ پیڑ ، جس کے سائے کی مجھ کو تلاش تھی
سایہ مِلا تو اُس کا مِلا کم ، بہت ہی کم

تاریکیٔ حیات سے لڑنے چلا ہے وہ
لے کر چراغِ دل میں ضیا ، کم بہت ہی کم

اِس دور کی فضاؤں میں ، گرد و غبار نے
چھوڑی ہے آئینوں پہ جلا کم ، بہت ہی کم

ہوتی تھی جس کی دید سے ، تسکینِ دل مجھے
وہ شخص ، آس پاس رہا کم ، بہت ہی کم

اکثر نسیمؔ جس کے مقابل گیا ہوں میں
قد میرا اُس کے قد سے لگا کم ، بہت ہی کم

غزل

کسی کی ہم کبھی دنیا رہے ہیں
نہ جانے کیوں وہ دن یاد آرہے ہیں

بہت مشکل تھا ، اپنوں کو سمجھنا
مگر اب ، سب سمجھ میں آرہے ہیں

عجب ہے حال ، میرے دوستوں کا
سمجھتے خود نہیں ، سمجھا رہے ہیں

وجود اپنا اگر حرفِ غلط ہے
تو پھر کیوں آج تک زندہ رہے ہیں

تمنا تھی جنہیں پانے کی دل میں
وہ اب خوابوں میں پائے جارہے ہیں

تصوّر میں یہ کس کو دیکھتا ہوں
نظر کے آئینے دھندلا رہے ہیں

نسیمؔ اُس بزم میں ہے شمع روشن
اُجالے میرے گھر تک آرہے ہیں

غزل

خطروں سے مرے ساتھ ، گذر کیوں نہیں جاتے
تم پیار میں ڈرتے ہو، تو گھر کیوں نہیں جاتے

ویسے بھی یہ جینا ہے کوئی جینے میں جینا
ہم تم سے جدا ہوگئے مر کیوں نہیں جاتے

امّید تمہیں سے تھی ، تمہیں نے نہیں چاہا
ورنہ مرے حالات سنور کیوں نہیں جاتے

ہموار تو ہیں منزلِ مقصود کی راہیں
کہتے ہو کہ جانا ہے مگر ، کیوں نہیں جاتے

جس طرح میرے عیب پہنچ جاتے ہیں اُن تک
حیرت ہے کہ اس طرح ہنر کیوں نہیں جاتے

برتاوَ میرے ساتھ ، مناسب نہیں اُن کا
پھر وہ میری نظروں سے اُتر کیوں نہیں جاتے

ہے یاد نسیمؔ آج بھی وہ شہر ، وہ بستی
اب کس کو بتائیں کہ اُدھر ، کیوں نہیں جاتے

غزل

آپ جتنا قریب آتے ہیں
فاصلے ، اور بڑھتے جاتے ہیں

آپ کو دیکھ کر نہ جانے کیوں
ہم زمانے کو بھول جاتے ہیں

ہوش اپنا ہمیں نہیں رہتا
آپ سے جب نظر مِلاتے ہیں

آپ ، گلشن میں جب نہیں ہوتے
پھول میری ہنسی اُڑاتے ہیں

وہ تو ہم خوش نصیب ہیں ورنہ
آپ ، کس کو نظر میں لاتے ہیں

تم نے دیکھے تو ہوں گے لالہ و گل
ہم تمہیں زخمِ دل دکھاتے ہیں

واسطہ کیا نسیمؔ دنیا سے
ہم تو بس ، اپنی دھن میں گاتے ہیں

غزل

وفا لکھنا ، حیا لکھنا، کرم فرمائیاں لکھنا
غزل کی روشنی میں یہ حسیں ، پرچھائیاں لکھنا

جب اُس کو خط لکھو تو یہ اشارہ بھی ضروری ہے
سُلگتا جسم لکھنا ، وادیاں ، پُروائیاں لکھنا

کہانی حُسن کی لکھنا ، کسی رنگین کاغذ پر
لب و رخسار لکھنا ، مستیاں ، انگڑائیاں لکھنا

سُنا ہے ، آج وہ سیرِ چمن کو آنے والے ہیں
گلوں کا رنگ لکھنا ، شوخیاں ، رعنائیاں لکھنا

یہ کیا وحشت ہے، کیسی جستجو ہے، اے دلِ ناداں
ہمیشہ درد لکھنا ، تلخیاں ، رسوائیاں لکھنا

عجب ہے ان دنوں ، حالات کی یہ کارفرمائی
دلوں پر پیار لکھنا ، دوریاں ، تنہائیاں لکھنا

بُرائی پر نسیمؔ اپنی نظر ہرگز نہیں جاتی
کسی کی بات لکھنا ، خوبیاں ، اچھائیاں لکھنا

غزل

باقی رہے گا پھر نہ کسی سے لگاؤ تک
یہ بھیڑ ، میرے ساتھ ہے ، اگلے پڑاؤ تک

دیتا رہا زمانہ ہوائیں ، کچھ اِس طرح
چنگاریوں کی بات تھی ، پہنچی الاؤ تک

حالات نے بدل دیا اُس کو ، یہ ٹھیک ہے
لیکن بدل کے رکھ دیا اُس کا سُبھاؤ تک

اس طرح ذہن و دل پہ ہوئے ، بے حسی کے وار
حساسیت نہ کر سکی اپنا بچاؤ تک

اُلجھی ہوئی تھی بات دماغوں کی اِس قدر
مانا نہیں کسی نے کسی کا ، سُجھاؤ تک

حالانکہ زندگی کے تقاضے تھے اور بھی
محدود اُس کا ذہن رہا ، رکھ رکھاؤ تک

دریا کو پار کرنے کی خواہش تو تھی نسیمؔ
لیکن رسائی اپنی تھی ، کاغذ کی ناؤ تک

غزل

آپ کو دیکھ کے سب لوگ یہی کہتے ہیں
آپ ، اچّھے ہی نہیں ، بلکہ بہت اچّھے ہیں

اِن کو برسانے دو الفاظ کے پتّھر مجھ پر
میرے اِس شہر کے لوگوں سے دلی رشتے ہیں

کچھ نقابیں تو ہواؤں نے اُلٹ دیں لیکن
پھر بھی پوشیدہ نگاہوں سے ، کئی چہرے ہیں

آپ سے سیکھے کوئی چہرہ شناسی کا ہنر
آپ تو دل کی ہر اِک بات سمجھ لیتے ہیں

قدر و قیمت کا خود اپنی ، ہمیں اندازہ ہے
یوں تو ہم سارے زمانے کے لئے سستے ہیں

آج بازار میں سچّائی کہاں ہے صاحب
کھوٹے سکّے ، کھرے سکّوں کی طرح چلتے ہیں

وہ جو اِس شہر میں دیوانہ سا پھرتا ہے نسیمؔ
اُس کی باتوں کو ابھی لوگ کہاں سمجھے ہیں

غزل

جانے کیا بات ہے، پتہ ہی نہیں
خط مجھے اُس نے پھر لکھا ہی نہیں

پیار کے راستے میں وہ مجھ سے
ایسا بچھڑا کہ پھر مِلا ہی نہیں

میں تو اُس شہر سے چلا آیا
سچ وہاں کوئی بولتا ہی نہیں

توڑ دیتے سماج کی دیوار
تم نے ایسا مگر کیا ہی نہیں

آپ کی بات مان لے شاید
دل میری بات مانتا ہی نہیں

کیوں نہ کرلیں غموں سے سمجھوتا
اب کوئی اور راستہ ہی نہیں

اِک عبادت بھی شاعری ہے نسیمؔ
صرف صاحب، یہ مشغلہ ہی نہیں

غزل

پیار میں اِک لڑکی پاگل ہے، اُف توبہ
اُس لڑکی کا نام غزل ہے ، اُف توبہ

تاج محل کی باتیں کرتی رہتی ہے
وہ بھی کیا ممتاز محل ہے ، اُف توبہ

اُس کی آنکھیں ، بن کاجل کے کجراری
اور تبسّم ، نیل کنول ہے اُف توبہ

جس پر برسے اُس کی دنیا مہکا دے
وہ خوشبو کا اِک بادل ہے ، اُف توبہ

قدم قدم پر نغمے ، سانسیں لیتے ہیں
جادوگر اُس کی پایل ہے ، اُف توبہ

بستی میں ، ہر شخص ہے اُس کا دیوانہ
جس کو دیکھو وہ بیکل ہے ، اُف توبہ

ڈھال رہا ہوں میں اُس کو شعروں میں نسیمؔ
میرے دل میں بھی ہلچل ہے، اُف توبہ

غزل

لَو دید کی تھی ، جانبِ در دیکھتا رہا
جب تک جھکی نہ میری نظر دیکھتا رہا

جادو سا کر رہی تھی ، وہ مستی بھری نظر
میرا قصور کیا ہے ، اگر دیکھتا رہا

محفل میں جس طرف سے چمکتی تھی برق سی
نظریں بچا بچا کے اُدھر دیکھتا رہا

میں اُن کو دیکھتا تھا ، مجھے دیکھتے تھے لوگ
اِس طرح دیکھنے کا اثر ، دیکھتا رہا

مجھ پر اُٹھائی اُنگلیاں لوگوں نے اور میں
اُن کی گلی کے شام و سحر دیکھتا رہا

توفیق تھی کسے کہ جو آئینہ دیکھتا
ہر شخص میرے عیب و ہنر دیکھتا رہا

صیاد کی گرفت میں کرتا بھی کیا نسیمؔ
اُڑتے ہوئے پرندوں کے پر دیکھتا رہا

میری بات

اپنی بات اپنے ہی شعر سے شروع کی جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔

زندگی تیرا یہ اظہار طلب کیا کہنا
آدمِ خاکی سے لوہے کا بدن مانگے ہے

یعنی زندگی کا مطالبہ کچھ اور۔ ضروریات کا تقاضہ کچھ اور۔ یہ تقاضہ ہی میری فطری کامیابی کا سبب بھی ہو سکتا ہے اور نہیں بھی۔ میری زندگی کا آغاز، زندگی کے اُن لمحات سے ہوا جو تہی دستی کی آماجگاہ تھے۔ دراصل بات یوں ہے کہ خانگی ذمہ داریوں کا تمام تر بوجھ میرے کاندھوں پر آ پڑا۔ اُسے حادثہ ہی کہا جائے گا۔

شعر و سخن اور موسیقی سے بچپن ہی سے لگاؤ رہا ہے لیکن حالات کی ناسازگاری اور کم علمی یہ دونوں چیزیں سدِ راہ رہیں۔ وہ زمانہ جو تعلیم حاصل کرنے کا تھا وہ خاندان کی شکم پروری کی نذر ہو گیا۔ ''شوق اُمید کا ہر پھول کھلا دیتا ہے'' یہ بات کسی شاعر نے کہی ہے۔ ایسا ہی ہوا۔ اپنی مصروفیات کے باوجود میری کوشش جاری رہی۔

دوستوں نے بھی میری تعلیمی کمی کو کھلونا بنایا اور طرح طرح سے تضحیک کے پہلو تراشے مگر مجھے یہ فائدہ پہنچا کہ میں نے ردِ عمل کے طور پر جامعہ اُردو علیگڑھ سے ادیب کامل تک کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔ بہ فضل خدا مشقِ سخن آج بھی جاری ہے۔

نسیمؔ رفعت گوالیاری

موبائل 09425337556

غزل

ماحول میں اب صرف چراغوں کا دھواں ہے
آوارہ ہواؤں کو یہ احساس کہاں ہے

تم مشورے اے دوستو ، دیتے تو ہو لیکن
پتّھر کے نگر میں میرا ، شیشے کا مکاں ہے

پڑھتی ہیں جہاں مرثیے ، بے مثل کتابیں
اِک ایسا کتب خانہ • کباڑی کی دوکاں ہے

ٹل جاتی ہیں دشواریاں ، حل ہوتی ہے مشکل
واللہ ، میرے حق میں دعا گو مری ماں ہے

کیا خوب ہے یہ دور ترقّی ، یہ زمانہ
ایماں میں حرارت ہے، نہ جذبات میں جاں ہے

ہر سمت نظر آتے ہیں ، بس خونی درندے
اس آج کے انسان میں انسان کہاں ہے

منزل بھی نسیمؔ اپنی نظر میں نہیں منزل
ٹوٹی ہوئی ہمّت ہے مگر عزمِ جواں ہے

غزل

عشق نے دوسری زندگی کے لئے
چُن لیا ہے مجھے شاعری کے لئے

دوریاں تو دلوں کی، نہ کم ہو سکیں
ہاتھ بڑھتے رہے، دوستی کے لئے

مرحلے بھی نئے، راستے بھی نئے
اجنبی شہر میں، اجنبی کے لئے

ہم اگر خود نہ چاہیں تو کچھ بھی نہیں
ورنہ سب کچھ تو ہے آدمی کے لئے

لاکھ تیور ہواؤں کے بدلے مگر
شمع جلتی رہی روشنی کے لئے

اُس پرندے کی پرواز تو دیکھئے
آسماں چھو رہا ہے، کسی کے لئے

جس کو رغبت نہیں شاعری سے نسیمؔ
شعر کہتے رہے ہم اُسی کے لئے

غزل

کیا خبر تھی ، پیار کا وہ یہ صلہ دے جائے گا
دو گھڑی مل کر ، نہ ملنے کی سزا دے جائے گا

جس پہ ہے تم کو بھروسہ ، جس پہ تم کو ناز ہے
دیکھ لینا ، کل وہی لمحہ دغا دے گا

راحتِ دل میری اُس کے ساتھ رخصت ہو گئی
اب تو ہر موسم نیا اِک درد سا دے جائے گا

دور رہ کر بھی دیئے ہیں ، زخم ہی اُس نے مجھے
وہ اگر نزدیک بھی آیا ، تو کیا دے جائے گا

خود نظر آئیں گے اُس کو اپنے چہرے کے نقوش
وقت اُس کے ہاتھ میں جب آئینہ دے جائے گا

میں نے پتّھر رکھ لیا ، دل پر تسلّی کے لئے
یہ عمل جینے کا شاید ، حوصلہ دے جائے گا

رشتے ناتے توڑ لو ، اپنے پرائے سے نسیمؔ
ورنہ پھر دہلیز پر کوئی صدا دے جائے گا

غزل

کیسے کیسے خواب دکھایا کرتا ہے
وہ میرے جذبات سے کھیلا کرتا ہے

لوگوں نے تو کر لی اپنی من مانی
اب اُس کو دیکھیں گے، وہ کیا کرتا ہے

وہ تو مجھ کو دوراہے پر چھوڑ گیا
لیکن اُس کا سایہ پیچھا کرتا ہے

روٹی ہوگی ، کپڑا ہوگا ، گھر ہوگا
پگلا ، جانے کیا کیا سوچا کرتا ہے

کام کبھی تدبیر سے وہ لیتا ہی نہیں
بس اپنی تقدیر کا شکوہ کرتا ہے

مجھ کو حیرت ہے، کیسا نادان ہے وہ
سونے سے مٹّی کی تُلنا کرتا ہے

آخر اُس کو کیسے پہچانو گے نسیمؔ
وہ تو اپنے چہرے بدلا کرتا ہے

غزل

خلوص و والہانہ یاد آتا ہے
بزرگوں کا زمانہ یاد آتا ہے

مرے سر پر تھا سایہ ماں کے آنچل کا
مجھے وہ شامیانہ یاد آتا ہے

نہ جانے کیوں، اِن آوارہ پرندوں کو
قفس کا آب و دانہ یاد آتا ہے

نہیں ہو زندگی ، جب زندگی جیسی
کسے ہنسنا ہنسانا یاد آتا ہے

کلی کا جب تبسّم دیکھ لیتا ہوں
کسی کا مسکرانہ یاد آتا ہے

نظر جاتی ہے جب نظمِ گلستاں پر
خزاں کا گل کھلانا یاد آتا ہے

کہا تھا جو نسیمؔ اُس نے نگاہوں سے
وہ جملہ شاعرانہ یاد آتا ہے

غزل

نہ دو اُس کو سہارا ، خود سنبھلنا سیکھ جائے گا
اگر کچھ ڈگمگایا بھی تو چلنا سیکھ جائے گا

کھلونے دے کے بہلاتے تو ہو معصوم بچّے کو
بہل تو جائے گا ، لیکن مچلنا سیکھ جائے گا

مصیبت بن گیا اِک دن ، اُسے عیّار کہہ دینا
خبر کیا تھی کہ وہ چہرے بدلنا سیکھ جائے گا

مرے احساس کی لو پر ابھی تو ہاتھ رکھا ہے
وہ پتّھر ہی سہی لیکن پگھلنا سیکھ جائے گا

ابھی وہ بدگماں ہے میری جانب سے تو رہنے دو
حقیقت کھل گئی تو ہاتھ ملنا سیکھ جائے گا

شعورِ فکر و فن تک بات بیداری کی آئے تو
مرا جذبہ نئی قدروں میں ڈھلنا سیکھ جائے گا

نسیمؔ اپنا چراغِ دل اگر جلنا نہیں سیکھا
ہوا کے رُخ پہ رکھ دینا تو جلانا سیکھ جائے گا

غزل

تجھے قرار ہو حاصل ، مجھے خوشی تو ملے
مگر تلاش ہے جس کی وہ زندگی تو ملے

تمہارے شہر میں ہر آدمی فرشتہ ہے
میں کس سے بات کروں، کوئی آدمی تو ملے

اندھیری رات میں چلنا ہے ٹھوکریں کھانا
کوئی چراغ جلاؤ کہ روشنی تو ملے

غزل میں داد کی خواہش تو ہے اُسے لیکن
غزل میں کوئی غزل جیسی بات بھی تو ملے

ہم اپنا ہاتھ کیا دل بھی اُدھر بڑھا دیں گے
کسی نگاہ سے پیغامِ دوستی تو ملے

میں چاہتا ہوں جسے اِک نظر اُسے دیکھوں
زہِ نصیب ، وہ لمحہ مجھے کبھی تو ملے

نسیمؔ بات کہوں دل کی کسی طرح آخر
مری زبان کو طاقت بیاں کی تو ملے

غزل

شاخ تھی ، گل تھا ، خار تھا ، کیا تھا
یا فریبِ بہار تھا ، کیا تھا

رات بھر جس نے بیقرار کیا
وہ تیرا انتظار تھا ، کیا تھا

آج کچھ اور ہے اُن آنکھوں میں
تھا جو کل تک وہ پیار تھا ، کیا تھا

زخمِ دل دے کے ہو گیا رخصت
وہ مرا غمگسار تھا ، کیا تھا

اُس کا ملنا بھی اور بچھڑنا بھی
حکمِ پروردگار تھا ، کیا تھا

میری غزلوں میں اُس کے چرچے ہیں
غیر تھا وہ کہ یار تھا ، کیا تھا

بات آخر یہ کس نسیمؔ کی ہے
کون امّیدوار تھا ، کیا تھا

غزل

وفائیں ہم سے وہ کرتے ہیں یا نہیں کرتے
خیال ہم تو کسی بات کا نہیں کرتے

یہ کیسے لوگ ہیں دل کو خریدنے والے
خرید لیتے ہیں قیمت ادا نہیں کرتے

تم اپنی شوخ نظر کو یہ بات سمجھا دو
کسی سے راز کی باتیں کہا نہیں کرتے

ہمارے شہر کے لوگوں کی بات مت پوچھو
بھلے ضرور ہیں لیکن بھلا نہیں کرتے

خیال ہم سے زیادہ اُنہیں کسی کا نہیں
یہ اور بات ہے وعدہ وفا نہیں کرتے

وہ آج اپنی خطاؤں پہ خود پشیماں ہیں
یہی بہت ہے، کبھی سامنا نہیں کرتے

نسیمؔ اہلِ جنوں کو یہ کون سمجھائے
چراغ شام سے پہلے جلا نہیں کرتے

غزل

مجھ پر اگر وہ جانِ غزل مہرباں رہے
قدموں تلے زمیں کی طرح آسماں رہے

جب دو دلوں میں کوئی تکلف نہیں رہا
پردہ بھی پھر حجاب کا کیوں درمیاں رہے

آنکھوں میں رنگ و نور کی رعنائیاں لئے
محوِ خیالِ یار رہے ، ہم جہاں رہے

سورج غموں کی دھوپ کا ہو جائے بے اثر
چشمِ کرم کا سر پہ اگر سائباں رہے

ہے جن کا تذکرہ مری غزلوں میں جابجا
کچھ دن وہ ہم کلام رہے ہم زباں رہے

اب صرف میں ہوں اور مری نا اُمیدیاں
جب تک وہ آس پاس تھے موسم جواں رہے

ہمراہ یوں تو بھائی برادر کا تھا ہجوم
پھر بھی نسیمؔ یوسفِ بے کارواں رہے

حمدِ پاک

کیا ہے آدم کو جس نے پیدا، ہمارا بیشک وہی خدا ہے
کہ جس کا موسیٰؑ نے دیکھا جلوہ، ہمارا بیشک وہی خدا ہے
شجر حجر بھی بنائے اُس نے، تمام مخلوق کے مقابل
ہمیں کیا جس نے سب سے اعلیٰ، ہمارا بیشک وہی خدا ہے
رحیم ہے وہ کریم ہے وہ کہ دو جہاں میں عظیم ہے وہ
نہیں ہے کوئی جواب اُس کا، ہمارا بیشک وہی خدا ہے
نہیں ہے معبود اور کوئی کہ جس کی خاطر پڑھیں نمازیں
فقط اُسی کے لئے ہے سجدہ، ہمارا بیشک وہی خدا ہے
وہ جس کو چاہے امیر کر دے، وہ جس کو چاہے فقیر کر دے
وہ جس کا چاہے بڑھا دے رتبہ، ہمارا بیشک وہی خدا ہے
اُسی نے بھیجے نبی بنا کر، اُسی نے بھیجے ولی بنا کر
اُسی نے قرآن بھی اُتارا، ہمارا بیشک وہی خدا ہے
نسیمؔ اُس کی نوازشوں کا، نہ کیوں ہو مشکور پھر ہمیشہ
کرم سے اُس نے ہمیں نوازہ، ہمارا بیشک وہی خدا ہے

غزل

میری نظر سے خود کو وہ دیکھے اگر کہیں
دل ہو کہیں ، دماغ کہیں ہو ، نظر کہیں

ہم سے ہمارے گھر کا پتہ پوچھتے ہو تم
خانہ بدوش لوگوں کا ہوتا ہے گھر کہیں

دوراہے پر کھڑے ہیں ، خدا جانے کب ملیں
رستہ نہ بھول جانا مرے ہمسفر کہیں

ترکش میں کچھ نہیں رہا ، سب چل چکے ہیں تیر
دھوکا نہ کھائیں دیکھنا ، اہلِ نظر کہیں

شاید کہ ہو گئی ہے غلط فہمی آپ کو
یہ وہ نظر نہیں ہے جو ٹکرائے ہر کہیں

چلتے ہو فاصلے سے ، بچھڑنے کا خوف ہے
دشوار ہو نہ جائے مری رہگذر کہیں

سُنتے تو ہیں کہ ہے کوئی دیوانہ شہر میں
دیکھا نہیں نسیمؔ کو ہم نے مگر کہیں

غزل

اپنی دُھن میں چل، تو چلتا جائے گا
ورنہ تو رستے میں کام آجائے گا

وہ تو اِک اُلجھا ہوا افسانہ ہے
اب اُسے شاید ہی سمجھا جائے گا

شعبدے بازوں کی ہے اُس پر نظر
پیڑ اب سوکھے گا، کاٹا جائے گا

کانچ کا برتن ہو یا مٹّی کا ہو
ہے اگر گھر میں تو برتا جائے گا

لے لیا دشمن کی بستی میں مکاں
اب تو جو ہوگا، وہ دیکھا جائے گا

باپ جس جانب اُٹھائے گا قدم
اُس طرف اِک روز بیٹا جائے گا

دیکھ یہ جھوٹوں کی نگری ہے نسیمؔ
سچ یہاں بولا تو مارا جائے گا

غزل

بوجھ دل کا اُتار لو سر سے
بیٹھ جاؤ کبھی برابر سے

کر لیا ہم نے راستہ ہموار
پتّھروں کو اُڑا کے ٹھوکر سے

گفتگو کا شعور آئے گا
ملتے رہئیے کسی سخنور سے

ڈوبنے والی کشتیوں کا حساب
کاش لیتا کوئی سمندر سے

ہم تو عادی ہیں صبر کے ورنہ
اینٹ کا تھا جواب پتّھر سے

گھر کا مالک جو خود کو کہتا ہے
وہ بھی نکلے گا ایک دن گھر سے

خود ہی منزل تلاش کر لو نسیمؔ
آج رہبر کہاں ہیں رہبر سے

قطعات

تم جنہیں مہرباں سمجھتے ہو
وہ بھی فطرت سے کام لیتے ہیں
آج کل کوئی بے وقوف نہیں
سب سیاست سے کام لیتے ہیں

☆

جو میرے ذہن پر ہوتی رہی ہے
وہی برسات رکھّی ہے غزل میں
لب و لہجے کو شائستہ بنا کر
کسی کی بات رکھّی ہے غزل میں

☆

جس کا ہر لفظ تیر و نشتر ہے
میں وہ تصویر دیکھ لیتا ہوں
زخم جب دل کے بھرنے لگتے ہیں
تیری تصویر دیکھ لیتا ہوں

زمیں سے کر لیا ترکِ تعلق
حدودِ لامکاں کو چھو رہے ہیں
عجب ہے آج پروازوں کا عالم
پرندے آسماں کو چھو رہے ہیں

☆

ممکن ہو ملاقات ، کچھ ایسا بھی نہیں ہے
اور دل ہے کہ محرومِ تمنا بھی نہیں ہے
تم ہو کہ مجھے مانگتے رہتے ہو خدا سے
ہاتھوں میں تو ایسی کوئی ریکھا بھی نہیں ہے

☆

کرتے کرتے سکونِ دل کی تلاش
آج پھر ، غم سے ٹھن گئی ہے بار
دل بہلتا نہیں کسی صورت
زندگی بوجھ بن گئی ہے یار

تم جدائی کا زہر سینے میں
ہنستے ہنستے اُتار لیتے ہو
یار، دن کی تو کوئی بات نہیں
رات کیسے گذار لیتے ہو

☆

راہ میں پیچ و خم سہی لیکن
اے مرے ہمسفر نہ گھبرانا
میں تو ہر موڑ پر ملوں گا تجھے
تو کسی موڑ پر نہ گھبرانا

☆

لوریاں گا کے تھپتھپانے کا
وہی انداز چاہتا ہوں میں
نیند کی گولیاں نہ دو مجھ کو
ماں کی آواز چاہتا ہوں میں

جانتا ہوں میں تجھے تو مرا کیا لگتا ہے
تیرا چہرہ ، ترا انداز بھلا لگتا ہے
بے وفا چھوڑ بھی ، رہنے بھی دے رسمی باتیں
پیار کا نام ترے منھ سے بُرا لگتا ہے

☆

چند لمحوں کا دل آویز نظارہ تو نہیں
آسماں کا کوئی تابندہ ستارہ تو نہیں
میں تجھے پیار تو کرتا ہوں مگر سوچتا ہوں
تو کسی اور کی قسمت کا سہارا تو نہیں

☆

تیری آنکھوں سے پی نہیں سکتے
پیاس ایسی کہ جی نہیں سکتے
اتنی پابندیاں ہیں نظروں پر
ہم تجھے دیکھ بھی نہیں سکتے

آپ آتے ہیں سامنے جس دم
دل میں ارماں بہت مچلتے ہیں
اور پھر ذہن کے دریچوں میں
زندگی کے چراغ جلتے ہیں

☆

دل میں طوفانِ غم چھپائے ہوئے
ہر نفس مسکرا کے جیتے ہیں
اس جہاں میں نہ جانے کتنے لوگ
نقلی چہرے لگا کے جیتے ہیں

☆

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے
دل میں اِک درد سا اُبھرتا ہے
آج تم جب کہ میرے پاس نہیں
لمحہ لمحہ گراں گذرتا ہے

ہو گئے دل سے دل جُدا آخر
خاک میں مل گئی وفا آخر
آج تم وہ نہیں جو پہلے تھے
جس کا ڈر تھا وہی ہوا آخر

☆

تیری تصویر، میرے کمرے میں
آج بھی نغمگی لٹاتی ہے
تیرے مہکے ہوئے ترنّم میں
میرے اشعار گنگناتی ہے

☆

سب کی نظریں بچا کے دیکھا تھا
دل کے نزدیک آ کے دیکھا تھا
مجھ کو الزام دینے والے بتا
تو نے کیوں مسکرا کے دیکھا تھا

خوش نصیبی کی راہ پا لیتے
زندگی کو حسیں بنا لیتے
دوستو تم بھی کاش میری طرح
اپنے ماں ، باپ کی دعا لیتے

☆

دوستی ، دشمنی میں فرق نہیں
زندگی کو سنبھال کر رکھیئے
جانے کس موڑ پر اندھیرا ہو
روشنی کو سنبھال کر رکھیئے

☆

زندگی کے حسین ساغر میں
زہرِ غم گھول کر پیا میں نے
شاعری نے مجھے دیئے افکار
شاعری کو لہو دیا میں نے

نعتِ پاک

نوری دھاگوں کا ہو کفن میرا
دفن طیبہ میں ہو بدن میرا

کاش آقا مجھے طلب کر لیں
خانۂ دل بنے چمن میرا

اِس میں رقصاں ہے بو مدینے کی
قابلِ قدر ہے وطن میرا

مدحتِ شاہِ انبیاءؐ ہو بیاں
میں کہاں اور کیا دہن میرا

دل میں ہے نورِ کلمۂ طیّب
تذکرہ ہے کرن کرن میرا

چشتیہ رنگ سے شہہِ دیں نے
رنگ ڈالا ہے پیراہن میرا

لکھ رہا ہوں نسیمؔ نعتِ نبیؐ
کیوں نہ ہو اوج پر سخن میرا

ایک طوفان سا اُٹھا دل میں
اور باقی رہے نہ ہوش و حواس
تم کو جتنا قریب سے دیکھا
اُتنی بڑھتی گئی نظر کی پیاس

☆

دل میں کچھ ہے زبان پر کچھ اور
آج کل بس یہی تو ہوتا ہے
ہم پہ غصّہ نہ کیجئے ہم نے
یہ ہنر آپ ہی سے سیکھا ہے

☆

ہم نے تکمیلِ داستاں کے لئے
آپ کا نام سوچ رکھا ہے
آپ، خائف نہ ہوں زمانے سے
ہم نے انجام سوچ رکھا ہے

رُباعیات

خوابوں کا ، خیالات کا پیکر بن جا
گذرے ہوئے لمحات کا منظر بن جا
مانا ، تیرا شیشے کا بدن ہے ، اے دوست
فطرت کا تقاضہ ہے کہ پتّھر بن جا

☆

گلشن میں بہاروں کے لئے ہوتے ہیں
شاخوں پہ نظاروں کے لئے ہوتے ہیں
ہر پھول کی قسمت میں کہاں باراتیں
کچھ پھول مزاروں کے لئے ہوتے ہیں

☆

پھولوں بھری شاخوں کو جلانے والو
آگ اپنے ہی گلشن میں لگانے والو
اللہ بھی شاید نہ کرے تم کو معاف
ماحول تباہی کا بنانے والو

چاہت کے تلاطم میں خدا ملتا ہے
ہو پیار تو ہم ، تم میں خدا ملتا ہے
ماں ، باپ کی نظروں سے اگر ہم دیکھیں
بچّوں کے تبسّم میں خدا ملتا ہے

☆

تعمیر کا ہر خواب کچل جاتے ہیں
تخریب کے ماحول میں ڈھل جاتے ہیں
پھر لوٹ کے ہرگز نہیں واپس آتے
جو تیر ، کمانوں سے نکل جاتے ہیں

☆

سنجیدہ رہو ، جامِ محبت پی لو
جو چاک ہوئے جیب و گریباں سی لو
یہ وحشتیں برباد نہ کر دیں تم کو
اے دوستو ، تفریق مٹا کر جی لو

اُمید کرو دفن ، تمنا چھوڑو
رُخ اپنا ، نئی فکر کی جانب موڑو
ڈر ہے نہ کہیں زندگی بن جائے عذاب
ٹوٹے ہوئے خوابوں سے نہ رشتہ جوڑو

☆

گلشن کی بہاروں سے مجھے کیا لینا
پُر کیف نظاروں سے مجھے کیا لینا
تم ہو تو سبھی کچھ ہے مِری دنیا میں
اِن چاند ستاروں سے مجھے کیا لینا

☆

جذبات کا اظہار کیا ہی کیوں تھا
احساس کو بیدار کیا ہی کیوں تھا
دنیا میں تو نفرت کے سوا کچھ بھی نہیں
اے دل ، یہ بتا ، پیار کیا ہی کیوں تھا

دوہے

پانی کہہ لو ، جل کہو ، یا پھر کہہ لو آب
شبد بھلے ہی بھن ہوں ، ایک ہے اِس کی تاب

☆

کیلینڈر دیوار پر ، بدلا ہے پھر آج
لیکن کیوں بدلا نہیں ، خود غرضی کا راج

☆

آزادی کی ہر برس مچتی تو ہے دھوم
آپس میں تفریق ہے ، یہ کس کو معلوم

☆

یہ جمہوری زندگی ، پھر آئے گی راس
ذہنوں میں زندہ رکھو سمتا کا احساس

☆

پیار ، محبت ، ایکتا ، ہو اپنی پہچان
آپس کے مت بھید سے ، اُبھرے ہندوستان

بیٹا ، ماں کی گود میں ، جنّت کا سُکھ پائے
ماں، بیٹے کے راج میں، دُکھ جھیلے مِٹ جائے

☆

اپنی اپنی ریت ہے ، بیٹا ہو یا باپ
جیسی جس کی ڈھولکی ، ویسی اُس کی تھاپ

☆

جانے کیسا آدمی ، تو ہے میرے یار
دو ناؤں پر بیٹھ کر ، ہونا چاہے پار

☆

دکھلاتا ہے شہر میں ، سب کو جھوٹی شان
دیکھو تو اُس کو ذرا ، کیا ہے وہ انسان

☆

ادھروں پر مسکان ہے، انتس تھل میں گھاؤ
پھر بھی اُس انسان کا ، کتنا کُشل سُبھاؤ

جس کے کارن شہر میں ، یاد آتا ہے گاؤں
پردیسی کے ساتھ ہے، اُس پیپل کی چھاؤں

☆

دوری ہے تو کیا ہوا ، زندہ ہے احساس
وہ میرے نزدیک ہے، میں بھی اُس کے پاس

☆

چرکھا کاتے چاند میں ، بُڑیا ساری رات
کچھ نانی کی بات ہے ، کچھ دادی کی بات

☆

سنکٹ میں نردوش ہے ، اپرادھی خوشحال
راجا تیرے راج میں ، یہ کیسا جنجال

☆

سیکھ سکے تو سیکھ لے ، یہ گُر ہے انمول
میٹھی وانی بول کے ، سُکھ کے موتی رول

جیسا جس کا روپ تھا ، جیسا تھا انداز
ویسی ہی واپس ہوئی ، گنبد کی آواز

☆

دُکھ سُکھ کے اس بوجھ کو ، ہنستے ، گاتے جھیل
جیون اِس سنسار میں ، دھوپ چھاؤں کا کھیل

☆

کیسے کیسے آج کے ، یہ تُلسی ، رسخان
دوہوں کی برسات میں کرتے ہیں اشنان

☆

ہندی کی شالینتا ، اُردو کی تہذیب
بھولے ہیں سب آج کے ، کوی ، شاعر اور ادیب

☆

جو کہنا تھا کہہ گئے ، خسرو اور کبیر
اب ہیں اپنے واسطے ، دوہے ٹیڑھی کھیر

گھر گھر ہوں خوشحالیاں ، بس ایسا ہو کام
اِک دوجے کو پیار سے ، دیکھیں خاص و عام

☆

مہکیں میرے دیش میں ، خوشبو والے سال
آشا کی کلیاں کھلیں ، جیون ہو خوشحال

☆

سب کا مالک ایک ہے ، یہ رکھنا ہے دھیان
ہم جو کچھ ہیں بعد میں ، پہلے ہیں انسان

☆

تم ہم سے بیزار ہو ، ہم تم سے بیزار
دو دن کے سنسنگ میں ، ایسا بھی کیا یار

☆

کچھ ایسا ہے آج کے ، انسانوں کا طور
کہتے یہ کچھ اور ہیں ، کرتے ہیں کچھ اور

پردیسی

پردیسیا، او پردیسیا
غم کیوں دیا تو نے، غم کیوں دیا
جانا تھا تو دل کیوں لگایا
کیوں تو نے پردیس بسایا
یہ میری بیتاب نگاہیں
ڈھونڈ رہی ہیں تیرا سایہ
میں نے یادوں کے دھاگے سے دل کا زخم سیا
پردیسیا، او پردیسیا ....

جھوٹی قسمیں، جھوٹے وعدے
یہ تیرے کمزور ارادے
پیار میں آخر ایسا کیوں ہے
بیدردی اِتنا تو بتادے
دور اگر رہنا ہی تھا تو، پھر کیوں پیار کیا
پردیسیا، او پردیسیا ....

مار نہ ڈالے تیری جُدائی
خوب رُلاتی ہے تنہائی
پیار کا موسم، بیت نہ جائے
واپس آجاؤ ہرجائی
دل تڑپا ہے جب جب میں نے، تیرا نام لیا
پردیسیا، او پردیسیا............

غزل

خوش ہے وہ ، یا کہ غمزدہ بھی ہے
یہ اُسی شخص کو پتہ بھی ہے

جس کو قسمت سے جو میسّر ہو
زندگی زہر بھی ، دوا بھی ہے

دل کو دل ہی نہ جانیئے صاحب
دیکھیئے تو ، یہ آئینہ بھی ہے

تم نے پتّھر کو فن دیا ہی نہیں
ورنہ ، پتّھر تو دیوتا بھی ہے

دل ہے وہ خوش نصیب کاشانہ
جس میں بندہ بھی ہے خدا بھی ہے

ہر فسانے کی ، ہر کہانی کی
ابتدا ہے تو انتہا بھی ہے

بات ہے بس نظر نظر کی نسیمؔ
وہ بُرا ہے ، وہی بھلا بھی ہے

میرے صنم

میرے صنم کہاں ہے تو، کہاں ہے میرے ہمسفر
تیرے بغیر زندگی ، بھٹک رہی ہے در بہ در
نظر کو تیری آس ہے کہ دل بہت اُداس ہے
بس ایک یاد ہے تیری جو میرے آس پاس ہے
لبوں پہ جان آ گئی ، دعا ہوئی ہے بے اثر
میرے صنم کہاں ہے تو.....................

یہ تیری مہربانیاں یہ میری بے زبانیاں
بُجھا نہ دیں چراغِ دل غموں کی تیز آندھیاں
بکھر نہ جاؤں میں کہیں، ہواؤں میں اِدھر اُدھر
میرے صنم کہاں ہے تو.....................

یہ جستجو تھکی تھکی یہ آرزو لُٹی لُٹی
تباہیوں کی داستاں بنی ہوئی ہے زندگی
خدا بھی جیسے ہو گیا ہے، آج مجھ سے بیخبر
میرے صنم کہاں ہے تو.....................

تم پر میری نظر ہے

اِس بات کی تو شاید ، دنیا کو بھی خبر ہے
میں چاہتی ہوں تم کو ، تم پر میری نظر ہے

دیوانہ ہو گیا ہوں ، یہ پیار کا اثر ہے
میں چاہتا ہوں تم کو ، تم پر میری نظر ہے

ہونٹوں پہ میرے ہر دم ، بس نام ہے تمہارا
تم سے بچھڑ کے اب تو ، جینا نہیں گوارہ
کیسے بتاؤں تم کو ، وہ حال جو اِدھر ہے
میں چاہتا ہوں تم کو ....

یہ رات یہ ہوائیں ، یہ رُت ، یہ چاند ، تارے
مستی لٹا رہے ہیں ، مہکے ہوئے نظارے
دیکھو قدم نہ بہکیں ، یہ پیار کا سفر ہے
میں چاہتا ہوں تم کو ....

اب ڈر یہ ہے کہ ہم تم ، بدنام ہو نہ جائیں
مقصد میں زندگی کے ، ناکام ہو نہ جائیں
مل کر بچھڑ نہ جائیں ، اِس بات کا بھی ڈر ہے
میں چاہتا ہوں تم کو ....

جانِ تمنا

سامنے جب وہ جانِ تمنا ہوتا ہے
دل میں جانے کیسا کیسا ہوتا ہے

ہیرے ، موتی ، چاندی ، سونا ایک طرف
لیکن اُس کا رُوپ سلونا ایک طرف
اُس کا ہر انداز انوکھا ہوتا ہے
سامنے جب وہ ....

اُس کے آگے نظریں جھکنے لگتی ہیں
کچھ بولوں تو سانسیں رُکنے لگتی ہیں
اب تو یہی ہر روز تماشہ ہوتا ہے
سامنے جب وہ ....

نیند آنکھوں سے اُڑ جاتی ہے راتوں کی
یاد آتی ہے ، پیاری پیاری باتوں کی
پلکوں میں ہر خواب سُہانا ہوتا ہے
سامنے جب وہ ....

یادنہ آنا

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن ، ساتھی یاد نہ آنا
پتّھر سا لگتا ہے ساون ، ساتھی یاد نہ آنا

ہنستی ہے مجھ پر تنہائی ڈستی ہے بیرن پُروائی
بوجھ بنا ہے بیری جیون ، ساتھی یاد نہ نا
پتّھر سا ....

چھائی ہے گھنگھور گھٹائیں نین کہاں تک جل برسائیں
پانی پانی ہے گھر آنگن ، ساتھی یاد نہ آنا
پتّھر سا ....

تو تو ہے پردیس میں ہمدم آیا ہے برسات کا موسم
تیز ہوئی ہے دل کی دھڑکن ، ساتھی یاد نہ آنا
پتّھر سا ....

کھن کھن کھنکیں میرے کنگنا تجھ بن چین نہ آئے سجنا
پایل بولے چھن چھن ، چھن چھن ، ساتھی یاد نہ آنا
پتّھر سا ....

رِم جھم کا موسم

جب بھی آتا ہے رِم جھم کا موسم　　رنگ لاتا ہے رِم جھم کا موسم

دن سُہانے ہوئے زندگی کے　　گیت گاتے ہیں لمحے خوشی کے
دل کی دھڑکن پہ قابو نہیں ہے　　لَے بڑھاتا ہے، رِم جھم کا موسم
جب بھی آتا ہے ....
تم نے یہ کیا نظر سے پلایا　　اِک نشہ سا بہاروں پہ چھایا
جھومتی ہے نگاہوں میں دنیا　　ڈگمگاتا ہے رِم جھم کا موسم
جب بھی آتا ہے ....
تم نہیں ہوتے جب ساتھ میرے　　دل میں ہوتے ہیں غم کے بسیرے
مجھ پہ ہنستی ہے تنہائی میری　　جی جلاتا ہے، رِم جھم کا موسم
جب بھی آتا ہے ....
آگ دل میں لگی ہے بجھا لیں　　آج کوئی کہانی بنا لیں
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے　　تھرتھراتا ہے، رِم جھم کا موسم
جب بھی آتا ہے ....

اے صنم

تو ہی میری مانگ ہے تو ہی میرا سندور ہے
اے صنم ، لیکن زمانے کا عجب دستور ہے
فیصلہ تیری نگاہوں کا مجھے منظور ہے
اے صنم لیکن ....

جھیل سی آنکھوں کا یہ کجرا ہے تیرے واسطے
ریشمی جوڑے کا یہ گجرا ہے تیرے واسطے
مہکی مہکی زندگی سنگار سے بھرپور ہے
اے صنم لیکن ....

تجھ پہ صدقے ، تجھ پہ میں قربان میری نازنیں
میرے دل میں بھی ہے یہ ارمان ، میری نازنیں
کیا بتاؤں میں تجھے ، دل کس قدر مجبور ہے
اے صنم لیکن ....

اِک دن ہوگا زمیں پہ دو ستاروں کا ملن
جگمگائے گی ہمارے ذہن و دل کی انجمن
آرزو روشن ہے سینوں میں وفا کا نور ہے
اے صنم لیکن ....

وقت کی دشواریوں سے ہم نکل کر آ گئے
راستہ کانٹوں بھرا تھا ، پھر بھی چل کر آ گئے
کون کہتا ہے کہ اب منزل ہماری دور ہے
اے صنم لیکن ....

پچھتاؤ گے

مجھ سے دور اگر جاؤ گے ، دیکھو اِک دن پچھتاؤ گے

یہ موسم یہ چاندنی راتیں   یہ مہکی مہکی برساتیں
تنہائی میں لمحہ لمحہ   یاد آئیں گی پیار کی باتیں
کیسے دل کو سمجھاؤ گے ، دیکھو اِک دن پچھتاؤ گے

پلکوں میں اِک خواب سجا کر   دل میں میٹھا درد جگا کر
بھول گئے تم قسمیں وعدے   دنیا کی باتوں میں آ کر
تڑپو گے اور تڑپاؤ گے ، دیکھو اِک دن پچھتاؤ گے

یہ دنیا ہے پیار کی دشمن   یہ کیا جانے دل کی دھڑکن
یہ تو خوش ہوتی رہتی ہے   دیکھ کے بھیگا بھیگا دامن
اشک کہاں تک برساؤ گے ، دیکھو اِک دن پچھتاؤ گے

اشعار

کیا ہے میرے اِن شعروں میں، خود بیتی، جگ بیتی ہے
میں نے سب کچھ ہارا لیکن، دل کی بازی جیتی ہے

☆

تھوڑا سا احساس ہے مجھ کو، اپنی ذمہ داری کا
شاعر تو میں کہلاتا ہوں، زعم نہیں فنکاری کا

☆

میری غزلیں پڑھتے پڑھتے نیند اگر آجائے گی
خوابوں کو احساس کے پھولوں کی خوشبو مہکائے گی

☆

تنہائی کے لمحے دل میں چُبھنے لگیں جب بن کر شول
میری غزلوں کی پڑھ لینا، مہکیں گے احساس کے پھول

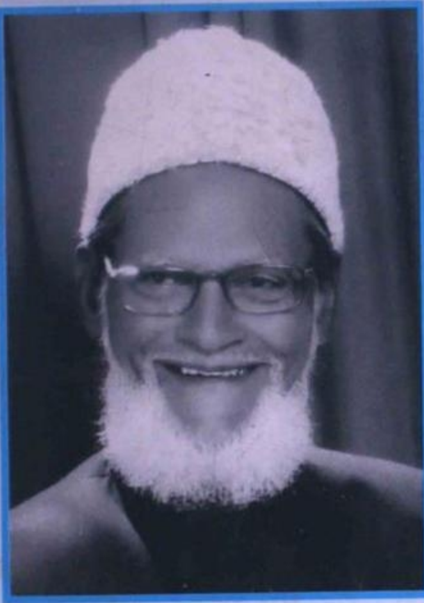

نسیمؔ رفعت گوالیاری

حضرت امیرؔ مینائی اسکول سے متعلق نسیمؔ رفعت کے کلام میں داغؔ اسکول کی خوشبو بھی بدرجہِ اتم موجود ہے۔ آسان زبان، مضمون کا ستھرا پن اور فصاحت و بلاغت سے شعر میں ایک عجیب و غریب لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نسیم رفعت کو خاص و عام میں خاصی ہر دلعزیزی حاصل ہے۔ نسیمؔ رفعت نہ صرف نبّاضِ فطرت ہیں بلکہ اُن کی اُنگلیاں نبضِ حالات پر بھی رہتی ہیں گویا کہ آپ شاعری کی قدر و شرح سے بخوبی واقف نظر آتے ہیں۔

وقار قریشی

صدر بزمِ اُردو، گوالیار

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.